مفتی کفایت اللہ صاحبؒ

رشید احمد ارشد[1] ایم۔ اے

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ اپنے زمانے کے مشہور و معروف عالم تھے۔ آپ کی علمی قابلیت نہ صرف ہندوپاکستان میں مسلم تھی بلکہ بیرون ہند اور دیگر اسلامی ممالک کے علماء و فضلاء بھی اسلامی علوم میں آپ کی قابلیت کو تسلیم کرتے تھے۔ آپ کی وفات سے جو خلا پیدا ہوگیا ہے اس کا پُر ہونا دشوار معلوم ہوتا ہے۔

ہم مسلمانوں کی یہ حالت ہوگئی ہے کہ ہم اپنے مایۂ ناز علماء اور اکابر قوم کو فراموش کرتے جارہے ہیں وہ حضرات جو بیس، پچیس سال پیشتر برصغیر ہندوپاکستان کے گوشے گوشے میں مشہور تھے، موجودہ نسل ان کے ناموں سے اب بالکل ناآشنا ہے۔ تاہم یہ قوم کے بزرگوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے نونہالوں کو اسلاف سے روشناس کرائیں اور ان کا تعلق ماضی سے بالکل منقطع نہ کردیں۔

بدقسمتی سے حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ بھی اس قومی تغافل کا شکار ہوگئے

---

[1] لیکچرار شعبہ عربی جامعہ کراچی۔

ہیں۔ اب کوئی بھولے سے بھی ان کا نام نہیں لیتا ہے۔ بالخصوص پاکستان کی نئی پود اُن کے نام سے ناآشنا ہے اور ہندوستان میں بھی شاید چند ہی بزرگ ہستیاں ہوں گی جو حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے واقف ہوں گی۔

یہ خاکسار بھی ان خوش قسمت افراد میں شامل ہے جنہوں نے حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا تھا۔ اور ان کے شہرۂ آفاق مدرسہ امینیہ میں علوم اسلامیہ کی تحصیل کی تھی۔ مجھے اعتراف ہے کہ میں نے طویل عرصہ حضرت مفتی صاحب کی صحبت میں نہیں گزارا، میں ان کا ادنیٰ شاگرد ہوں۔ تاہم گزشتہ زمانے کی یاد تازہ کرنے اور نئی نسل کو حضرت مفتی صاحب کے نام سے روشناس کرانے کی اس خیال سے جسارت کر رہا ہوں کہ حضرت مفتی صاحب کے تلامذہ میں سے وہ بزرگ ہستیاں جو اُن سے زیادہ فیض حاصل کر چکی ہیں، حضرت مفتی صاحبؒ کے علمی کمالات پر مزید روشنی ڈالیں گی تاکہ ہمارے نوجوان طلباء اور علماء آپ کے کارناموں سے اچھی طرح واقف ہو جائیں۔

ابتدائی حالات

آپ کا آبائی وطن شاہجہاں پور (یوپی) محلہ سن رئی ہے۔ آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی جناب عنایت اللہ بن فیض اللہ بن خیر اللہ بن عباد اللہ ہے۔

آپ کا سلسلۂ نسب شیخ جمال یمنی تک پہنچتا ہے جو یمن میں موتیوں کی تجارت کرتے تھے۔ ایک دفعہ یہ اتفاق ہوا کہ شیخ جمال یمنی بہ سلسلۂ تجارت پانی کے جہاز میں سوار تھے کہ اچانک جہاز غرق ہو گیا مگر خوش قسمتی سے شیخ جمال زندہ بچ گئے۔

چنانچہ اس کم عمری کے زمانے میں بھوپال کے ایک شخص انہیں ہندوستان لے آئے اور یہیں انہوں نے اپنے خاندان کی ایک لڑکی سے ان کی شادی کر دی۔ ان سے جو نسل پھیلی انہی میں حضرت مفتی صاحب کے آباء و اجداد بھی تھے۔

حضرت مفتی صاحب ۱۲۹۲ھ مطابق ۱۸۷۵ء بمقام شاہجہاں پور پیدا ہوئے۔ آپ نے عربی کی ابتدائی تعلیم مدرسہ اعزازیہ شاہجہاں پور میں مولوی حافظ بدھن خان اور مولوی عبید الحق خان صاحب سے حاصل کی۔ اس کے بعد مولوی عبید الحق خان صاحب نے آپ کو مدرسہ شاہی

مرادآباد میں داخل کرایا۔ وہاں کچھ عرصہ تعلیم حاصل کرنے کے بعد آپ دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے اور وہیں داخل ہوگئے۔

اساتذہ:۔ دارالعلوم دیوبند میں آپ نے مندرجہ ذیل اساتذہ سے تعلیم حاصل کی۔
(۱) مولانا منفعت علی صاحب (۲) مولانا حکیم محمد حسن صاحب (برخوردار حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ)۔ (۳) مولانا غلام رسول صاحب (۴) مولانا خلیل احمد انبیٹھوی۔

حدیث کی تعلیم آپ نے مولانا عبدالعلی میرٹھی اور شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندی سے حاصل کی۔

آپ ۱۳۱۵ھ مطابق ۱۸۹۷ء میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہوگئے تھے۔

تعلیم و تدریس تعلیم سے فارغ ہوتے ہی آپ اپنے قدیم استاد مولانا عبیدالحق صاحب کے حکم کے مطابق مدرسۂ عین العلم میں مدرس ہوئے۔ تقریباً پانچ سال تک آپ وہاں اسلامی علوم کی تعلیم دیتے رہے، اور مفتی کی حیثیت سے بھی کام کرتے رہے وہیں آپ نے ایک رسالہ ''البرہان'' کے نام سے جاری کیا تھا۔

جب ۱۹۰۳ء مطابق ۱۳۲۱ھ میں آپ کے استاد مکرم مولانا عبیدالحق خان صاحب کی وفات ہوئی تو آپ مولوی امین الدین صاحب بانیٔ مدرسہ امینیہ کے بے حد اصرار پر دہلی تشریف لائے، اور یہاں مدرسہ امینیہ کے صدر مدرس اور مفتی مقرر ہوئے۔ پہلے حضرت مولانا انور شاہ صاحب کشمیریؒ صدر مدرس تھے مگر بعض مجبوریوں کی بنا پر آپ استعفیٰ دے کر اپنے وطن تشریف لے گئے تھے۔ اس لئے اس منصب پر آپ کا تقرر ہوا۔

قلیل تنخواہ اس زمانے میں مدرسۂ امینیہ تاریخی سنہری مسجد چاندنی چوک میں تھا اور اس کا سرمایہ نہایت قلیل تھا، اس لئے آپ کی تنخواہ بیس۲۰ روپے ماہوار مقرر ہوئی۔ اس میں تعلیم و تدریس کے علاوہ افتار کی خدمت بھی شامل تھی۔ تاہم آپ نے اس قلیل تنخواہ پر قناعت کرکے تعلیم و تدریس کا کام شروع کردیا۔

بہت جلد آپ کی تعلیم و افتار کی شہرت دور دراز کے علاقوں میں ہوگئی۔ لہٰذا دور کے علاقوں سے کثیر تعداد میں طلبہ مدرسہ امینیہ میں داخل ہونے لگے۔

جب مولانا امین الدین صاحب بانیٔ مدرسہ امینیہ ۱۹۲۰ء مطابق ۱۳۳۸ھ میں اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے تو حضرت مفتی صاحب اس مدرسے کے مہتمم و منصرم ہوئے [1]

تنظیم مدارس

دہلی آنے کے بعد آپ نے سب سے پہلے اس امر کی کوشش کی کہ تمام عربی مدارس کی تنظیم کی جائے اور اس کے انتظامی قواعد و نصاب یکساں ہوں۔ اور داخلے کے لئے بھی تمام مدارس میں مشترکہ قواعد کا نفاذ ہو۔

اس مقصد کے لئے دہلی آنے کے دوسرے سال یعنی ۱۹۰۴ء مطابق ۱۳۲۲ھ میں مدرسہ امینیہ کے سالانہ جلسہ میں آپ نے اتحاد اور تنظیم مدارس پر نہایت عمدہ تقریر کی۔ آخرکار آپ کی ان کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہند و پاکستان کے سب سے بڑے مدرسہ دار العلوم دیوبند کے منتظمین نے اس بات پر رضامندی ظاہر کی کہ وہ دوسرے مدارس کے طلباء کو اس وقت تک داخل نہیں کریں گے جب تک کہ وہ اپنی نیک چلنی کی سند نہ پیش کر دیں۔ اس کے ساتھ ساتھ دار العلوم کے منتظمین اس پر بھی رضامند ہو گئے تھے کہ وہ مدرسہ امینیہ کے فارغ التحصیل طلبہ کی اپنے جلسے میں دستار بندی کریں۔

چنانچہ ۱۹۱۰ء میں مدرسہ امینیہ کے دس فارغ التحصیل طلبہ کو دعوت دے کر دیوبند کے سالانہ جلسے میں بلایا گیا اور تمام مجمع کے سامنے دستار بندی کی گئی۔ اُن دس علماء میں مولانا حافظ سید محمد حسین شاہ (فرزندِ ارجمند پیر جماعت علی شاہ صاحب) اور مولانا حافظ سید مہدی حسن صاحب (موجودہ مفتی دار العلوم دیوبند) بھی شامل تھے۔

۱۹۱۳ء میں جب جنگِ بلقان ہو رہی تھی حضرت مفتی صاحب نے جنگ کے مسلم مجروحین کی امداد کے لئے چندہ جمع کیا۔ جس کی کل میزان ۳۸۹۴ روپے اور نو پائی تھی۔

جمعیۃ علمائے ہند کی تحریک

۱۹۱۵ء کے بعد جبکہ انگریزوں نے جنگ عظیم میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی کو گرفتار کر کے مالٹا

---

[1] "مختصر تاریخ مدرسہ امینیہ اسلامیہ شہر دلی" از مولانا حفیظ الرحمٰن صاحب واصف فرزند اکبر حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب مرحوم۔ مطبوعہ دہلی ص ۳ ۔ ص ۵ ۔

میں نظر بند کر دیا تھا۔ ہندوستان کے مسلمانوں اور ہندوؤں میں انگریزوں کے خلاف جذبۂ نفرت پیدا ہوا۔ اور آزادی کی تحریک تقویت پکڑنے لگی۔ اسی اثنا میں اتحادیوں نے اسلامی خلافت کو ختم کرنے کی سازش کی۔ اس سے تمام اسلامی ممالک میں ان کے خلاف غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی۔ اور مسلمانانِ ہند نے بھی یہ ضرورت محسوس کی کہ اسلامی خلافت کے تحفظ کے لئے مناسب تدابیر اختیار کی جائیں۔ لہٰذا ۲۲ نومبر ۱۹۱۹ء میں دہلی میں خلافت کمیٹی قائم ہوئی۔

اسی زمانے میں حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب نے یہ محسوس کیا کہ تمام علمائے ہند کو ایک مرکز پر جمع کیا جائے۔ لہٰذا آپ نے "جمعیۃ علمائے ہند" قائم کرنے کی تحریک چند علماء کے سامنے پیش کی انہوں نے اس کی تائید کی۔ اور اس تحریک کو بروئے کار لانے کے لئے جدوجہد کرنے لگے۔ ایسے علماء میں سے مولانا ابوالحسنات عبدالباری فرنگی محلی، مولانا محمد سجاد بہاری، مولانا ثناء اللہ امرتسری اور مولانا آزاد سبحانی اس تحریک کے روح رواں تھے۔

جس زمانے میں خلافت کمیٹی کے اجلاس دہلی میں ہو رہے تھے اسی زمانے میں تمام علماء کو خفیہ طور پر ایک مقام پر اکٹھا کر لیا گیا تھا۔ اور جس روز علماء کا یہ خفیہ جلسہ ہونے والا تھا اسی دن بعد نماز فجر بہت سے علماء درگاہِ سید حسن رسول نما[1] میں حاضر ہوئے۔ اور دہلی کے اس مقدس بزرگ کے مزار کے سامنے انہوں نے یہ قول و قرار کیا:۔

> "موجودہ گورنمنٹ کے خلاف ہماری کارروائیاں بصیغۂ راز رہیں گی اور حکومت کی جانب سے جو سختیاں ہم پر کی جائیں گی ان پر ہم ثابت قدم رہیں گے۔ نیز آپس میں عقائد کے اختلاف کو نہیں آنے دیں گے"[2]

---

[1] حضرت سید حسن رسول نما جن کی درگاہ کے سامنے علماء کرام نے تحریکِ آزادی کی جدوجہد کا آغاز کرنے اور جمعیۃ علماء ہند کی بنیاد ڈالنے کا عہد کیا تھا۔ بہت بڑے عالم اور درویش کامل تھے علماء کا طبقہ ہمیشہ ان کا معتقد رہا۔ اور اس موقع پر بھی اپنے قول و قرار کو مقدس بنانے کے لئے انہی کی درگاہ کا انتخاب کیا۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ حضرت رسول نما ساری عمر بڑے امراء و حکام کے مخالف رہے۔

[2] مختصر تاریخ مدرسہ امینیہ ص۲۵۔

ـدر جمعیۃ علمائے ہند

اس کے بعد نمازِ عشاء کے بعد علمائے کرام کا ایک جلسہ ہؤا اور انہوں نے "جمعیۃ علمائے ہند" کی داغ بیل ڈالی۔

ـرت مفتی کفایت اللہ صاحب اس کے صدر اور مولانا احمد سعید صاحب ناظم مقرر ہوئے۔ ـرت مفتی صاحب تا حیات مرکزی جمعیۃ علماء ہند کے صدر رہے۔

صدر جمعیۃ علماء ہند کی حیثیت سے آپ تمام قومی اور سیاسی جلسوں میں شریک ـتے رہے۔ بلکہ بیرونی ممالک میں بھی جو اہم کانفرنسیں ہوتی تھیں ان میں شرکت کرنے کے لئے ـ ہی کو دعوت دی جاتی تھی۔ جب سلطان ابن سعود نے شریف حسین کو شکست دے کر ـمتِ حجاز پر قبضہ کر لیا تھا تو اس نے تمام اسلامی ممالک سے نمائندے بلوا کر ۲۶ ذیقعدہ ۱۳۱ـ ہجری مطابق ۱۹۲۵ء میں مکہ معظمہ میں مؤتمر حجاز منعقد کی۔ اس وقت آپ کی ـارت میں علماء کا ایک وفد گیا تھا، وہاں جا کر آپ نے اس مؤتمر کی کارروائی میں نہایت ـرمی سے حصہ لیا تھا۔

آپ ۱۹۳۸ء میں مؤتمر فلسطین میں بھی شریک ہوئے اور جمعیۃ علمائے ہند کے وفد ـ قیادت فرمائی۔

ـد و بند کے مصائب

آپ نے ہندو پاکستان کی تحریک آزادی میں بھی نمایاں حصہ لیا اور دو[۲] مرتبہ قید و بند کے مصائب برداشت کئے۔

ـں مرتبہ آپ تحریکِ سول نافرمانی کے جرم میں ۱۹۳۰ء میں اپنے گھر سے گرفتار ہوئے۔ آپ ـ چھ[۶] ماہ قید بامشقت کی سزا ہوئی اور آپ گجرات جیل بھیجے گئے۔

دوسری گول میز کانفرنس ۱۹۳۱ء کی ناکامی کے بعد دوبارہ سول نافرمانی کی تحریک جاری کی ـ۔ اس موقع پر دفعہ ۱۴۴ کی خلاف ورزی کے جرم میں آپ کو آزاد پارک کے جلسہ میں ـتار کیا گیا اور اٹھارہ[۱۸] ماہ قید بامشقت کی سزا ہوئی۔ اس وقت آپ سنٹرل جیل ـان میں محبوس رہے۔

ـلبائے عربیہ کا احتجاجی جلسہ

آپ کی گرفتاری سے دہلی کے مسلمانوں میں بالعموم اور طلبائے عربیہ میں بالخصوص تحریکِ آزادی

مجھے اپنی رعایا بنا کر اس کا موقع دے دیا کہ میں اس کے ملک میں اطمینان سے رہوں۔

یہاں آپ بیتی حصّہ دوم ختم ہوتی ہے۔ تیسرا حصہ جس میں ترکی اور ترک قوم کے حالات ہوں گے، مصنف مرتب فرما رہے ہیں، خدا کرے یہ جلد مکمل ہو، اور اس طرح اس تاریخی دور کے واقعات جو اب تک پردۂ خفا میں تھے، دنیا کے سامنے آئیں اور آج آزادی کی نعمتوں سے متمتع ہونے والے جانیں کہ اس آزادی کی صبح کو نزدیک کرنے میں کتنوں کی پوری زندگیاں مسلسل اندھیری راتوں میں گزری ہیں۔

مارچ ۱۹۶۵ء کے "الرحیم" میں آپ بیتی حصّہ اول کے تبصرے کے آخر میں اس نہایت اہم اور ساتھ ہی ساتھ بے حد دلچسپ کتاب کا تعارف کراتے ہوئے لکھا گیا تھا کہ محترم ظفر حسن ایبک کی آپ بیتی، ایک ایسا تاریخی وثیقہ ہے جسے برصغیر کی اسلامی تاریخ کے ہر طالب علم اور سیاسیات سے علمی و عملی دلچسپی رکھنے والے ہر چھوٹے کارکن اور ہر بڑے لیڈر کو پڑھنا چاہیئے۔ یہ محض گزرے ہوئے واقعات کا مجموعہ نہیں، بلکہ اس میں عبرتیں اور سبق ہیں جو ہمارے لئے آئندہ کے لئے مشعل کا کام دے سکتے ہیں۔

ظفر حسن صاحب نے آپ بیتی لکھ کر مسلمانانِ برصغیر کی بہت بڑی خدمت کی ہے اور ملی تاریخ کا وہ باب جو زینتِ طاقِ نسیاں بن گیا تھا، اسے انھوں نے دوبارہ ہمارے لئے تازہ کر دیا ہے، ہمیں امید ہے کہ کوئی مسلمان پڑھا لکھا گھرانا اس کتاب سے خالی نہ رہے گا۔

یہاں ہم یہی الفاظ آپ بیتی کے حصہ دوم کی اشاعت پر دُہراتے ہیں اور خدا تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ ظفر حسن صاحب کو طویل عمر عطا ہو تاکہ وہ حضرت مولانا سندھی اور اپنی جدوجہد کے بارے میں اور لکھ سکیں۔

محمد سرور

بہتر سے بہتر علاج اور کافی توجہ اور غور و پرداخت کے مرض میں اب تک کوئی افاقہ نہیں ہے۔ غذا بھی ہضم نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے اور دیگر احباب و متوسلین سے بھی درخواست کیجئے۔ امید ہے کہ مزاج بخیر ہوگا۔

والسلام
آپ کا
(حفیظ الرحمٰن ۳ ۱۲/۵۲ ء)

وفات:۔ یہ خط مولوی صاحب موصوف نے آپ کی وفات سے تین چار ہفتے پیشتر تحریر کیا تھا، میں ابھی دوسرا خط لکھنے نہ پایا تھا کہ آپ کی وفات کی اندوہناک خبر موصول ہوئی اور یہ معلوم ہوا کہ آپ ۱۳، ۱۴ ربیع الثانی ۱۳۷۲ھ مطابق ۳۱ دسمبر ۱۹۵۲ء و یکم جنوری ۱۹۵۳ء کی درمیانی شب یعنی شب پنجشنبہ کو ۱۰ بجے اس دارِ فانی سے رحلت فرما گئے۔ ابھی ۱۹۵۳ء کا نیا سال نمودار نہیں ہوا تھا کہ آپ اس دنیا سے رخصت ہوگئے۔
اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ۝

آپ کو مہرولی میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مزار کے احاطہ کے قریب دفن کیا گیا۔ وفات کے وقت آپ کی عمر شریف اسی سال کی تھی۔

ذاتی تأثر:۔ مجھے افسوس رہا کہ میں اپنی کم عمری، طبعی جھجک اور کم آمیزی کے باعث آپ کا فیض صحبت حاصل نہیں کرسکا۔ اور آپ سے علمی استفادہ صرف حلقۂ درس تک محدود رہا۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد ملازمت کی وجہ سے دہلی سے باہر ہی رہا۔ اور جب دہلی آتا تھا تو اپنی طبعی کاہلی کی وجہ سے بہت کم ملاقات کا شرف حاصل کرسکا تھا۔ اس لحاظ سے میرا حضرت مفتی صاحبؒ سے رابطہ بہت ہی کم رہا۔ تاہم حضرت مفتی صاحب کی شفقت و عنایت اس کم آمیزی کے باوجود کم نہ تھی۔ اور آپ میرے تمام حالات سے بخوبی واقف تھے۔ چنانچہ ملازمت یا دیگر امور میں جب کوئی حضرت مفتی صاحبؒ سے میرے بارے میں کچھ دریافت کرتا تھا تو آپ کلمۂ خیر سے یاد فرماتے تھے۔

آخری خط:۔ پاکستان آنے کے بعد جب حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی

نے وفات پائی تو کراچی کے ایک علمی ماہنامے کی فرمائش پر میں نے ہندوستان کے علماء کو خطوط لکھے کہ وہ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی کی یاد میں اپنے گرامی قدر خیالات تحریری شکل میں ارسال فرمائیں تاکہ اُن کی یاد میں ایک ضخیم "شیخ الاسلام نمبر" شائع کیا میرے ان خطوط کے جواب میں کوئی مقالہ موصول نہ ہوسکا۔ اور اکثر حضرات نے خطو بھی نہیں دیا۔ تاہم چند علماء نے معذرت کے خطوط لکھے ان میں سب سے پہلے مفتی صاحب رح کا نوازش نامہ موصول ہُوا تھا۔ جس میں اپنی پیرانہ سالی اور علالت کی کوئی مضمون لکھنے سے معذرت کا اظہار کیا گیا تھا۔

یہ آپ کا آخری خط تھا جو مجھے موصول ہوُا۔ کسے خبر تھی کہ اس کے تھوڑے بعد آپ بھی شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی کے پاس عالمِ بالا میں پہنچ جائیں گے ہندوپاکستان کا یہ آخری بے مثل عالم اور فقیہ مفتی، علم و فقہ کی محفلوں کو سُونا چھوڑ کر کے لئے رخصت ہو جائے گا۔

وما کان قیسٌ ھلکہٗ ھلکَ واحد ولکنہ بنیان قوم تھدّم

اخلاق وعادات

حضرت مفتی صاحب رح سادہ طبیعت، نہایت سنجیدہ اور تھے۔ آپ کے وقار کا رعب سب پر غالب تھا۔ مگر یہ کا وقار تھا۔ ورنہ آپ نہایت خوش اخلاق اور مرنجاں و مرنج تھے۔ اپنا کام خود کرتے عالم ہونے کے باوجود اپنے دنیاوی اُمور نہایت خوش اسلوبی اور سلیقے سے سرانجا تھے۔ اپنی ذات کے لئے کفایت شعار تھے۔ بلکہ مدرسہ کی تعمیر میں بھی نہایت سلیقہ کفایت شعاری کا ثبوت دیا تھا۔

مدرسہ امینیہ کی توسیع

جب مدرسہ امینیہ سنہری مسجد سے کشمیری دروازہ "پانی پتیاں" میں منتقل ہوُا تو مسجد کی عمارت مدرسہ بالکل ناکافی تھی لہٰذا آپ نے طلبہ کی تعلیم و اقامت کے لئے مزید کمرے بنوائے تعمیر کی نگرانی خود کی۔

آپ نے مسجد کے دونوں طرف طلباء کی اقامت کے لئے کمرے بنوائے۔

کے کمروں میں اساتذہ درس دیتے تھے۔ وہیں آپ کا دفتر کتب خانہ اور دارالافتاء تھا۔ اس سے اوپر کی منزل میں آپ نے دارالحدیث اور مہمان خانہ تعمیر کرایا۔

اسی طرح آپ نے اس دارالعلوم کو محنت اور ذاتی نگرانی کے ساتھ ہر حیثیت سے مکمل کرایا۔

بے مثل حافظہ

بچپن ہی سے آپ نے بلا کا حافظہ پایا تھا۔ طالب علمی کے زمانہ میں آپ کی ذہانت اور حافظہ کا یہ حال تھا کہ مجلس درس میں جو کچھ آپ سنتے تھے وہ اسی وقت یاد ہوجاتا تھا۔ آپ کو دوبارہ دیکھنے اور یاد کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی تھی۔ آپ کے رفقائے درس کا بیان ہے کہ آپ نے بہت جلد تمام علوم عربیہ میں کمال حاصل کرلیا۔ آپ نہ صرف علوم اسلامیہ کے ماہر تھے بلکہ عربی لغت وادب سے بھی بہت دلچسپی رکھتے تھے۔ اور عربی قصائد لکھتے تھے۔ چنانچہ حضرت مسیح الملک حکیم اجمل خاںؒ کی وفات پر آپ کا عربی مرثیہ میں نے خود اخباروں میں دیکھا۔

عربی ادب میں مہارت

حضرت مفتی صاحبؒ عربی ادب کی کوئی کتاب نہیں پڑھاتے تھے۔ اس لئے میں براہ راست آپ سے عربی ادب کی تعلیم حاصل نہ کرسکا۔ تاہم بالواسطہ میں نے کچھ استفادہ کیا تھا۔ اس کی صورت یوں ہوئی کہ مدرسہ امینیہ کے تعلیمی زمانے میں حضرت مفتی صاحبؒ کے صاجزادے مولوی حفیظ الرحمٰن صاحب کے ساتھ میں مولوی عالم کے امتحان کی تیاری کرتا تھا۔ اس امتحان میں بی اے عربی کورس بھی شامل تھا۔ اسے ہم دونوں مولوی اکرام اللہ عیاذتی پانی پتی کی نگرانی میں مل کر پڑھتے تھے۔ جو ادب وتاریخ میں خاصی مہارت رکھتے تھے۔

مولوی حفیظ الرحمٰن صاحب اپنے والد محترم سے سبعہ معلقہ اور بعض دیگر کتابیں بھی پڑھتے تھے۔ لہٰذا انہیں حضرت مفتی صاحبؒ سے عربی ادب میں براہ راست استفادہ کا موقع ملتا تھا، اور وہ مفتی صاحب کی ادبی اور لغوی تحقیقات سے ہمیں مستفید کرتے تھے۔ اُن معلومات سے ہمیں یہ اندازہ ہوتا تھا کہ حضرت مفتی صاحب عربی ادب کا نہایت عمدہ ذوق رکھتے تھے، اور عربی لغت وادب پر آپ کی محققانہ نظر تھی۔

یادگارِ تعلیمی سال

حضرت مفتی صاحب مدرسہ کے اہتمام وانصرام اور افتاء کے کاموں میں بے حد مشغول رہتے تھے۔ اس لئے آپ صرف دورۂ حدیث میں آخری سال کے طلباء کو صحیح بخاری شریف اور جامع ترمذی پڑھاتے تھے۔ لہٰذا ہمیں براہِ راست صرف ایک سال حضرت مفتی صاحب سے استفادہ کا موقع ملا۔ اور یہی سال ہماری تعلیم کا آخری اور یادگار سال تھا۔

میں نے ۱۹۳۰ء میں تعلیم سے فراغت حاصل کی تھی یہ ۱۹۲۹ء اور ۱۹۳۰ء کے سال سیاسی حیثیت سے پُر آشوب سال تھے۔ لہٰذا آپ کے لئے یہ ممکن نہ تھا کہ آپ اپنی گوناگوں مصروفیات کے ساتھ حدیث کی ان دونوں ضخیم کتابوں کو ختم کرا دیں۔ تاہم اس قلیل مدت میں آپ نے جس انداز میں درس دیا وہ کئی سالوں پر بھاری ہے۔ اور اگر میں یہ کہوں کہ وہ "حاصلِ عمر" ہے تو کچھ بے جا نہ ہوگا۔

آپ کا طریقۂ تعلیم وتدریس نہایت دلکش اور عام فہم تھا۔ ہر حدیث پر آپ نہایت عالمانہ اور دلکش انداز میں تقریر فرماتے تھے۔ اس وقت ہر موضوع پر آپ ایسی سیر حاصل بحث کرتے تھے کہ اس کا کوئی گوشہ تشنۂ تکمیل نہیں رہتا تھا۔ ان مباحث کے ضمن میں آپ تمام اختلافی مسائل کی گتھیاں سلجھا دیتے تھے۔ آپ کے الفاظ نہایت نپے تلے ہوتے تھے۔ اور جس طرح آپ فتویٰ نویسی میں موزوں اور مختصر الفاظ کے ذریعہ مسائل کو ذہن نشین کرا دیتے تھے اسی طرح آپ درسِ حدیث میں متعلقہ مباحث پر سیر حاصل گفتگو فرماتے تھے۔

تصانیف:۔ آپ نے تصانیف کا بہت کم ذخیرہ چھوڑا ہے۔ تاہم "تعلیم الاسلام" کے چار حصے آپ کی قابلِ قدر یادگار ہے اور آج بھی کوئی ایسی کتاب نہیں لکھی گئی جس میں اس قدر آسان زبان میں بچوں کو اسلام کے بنیادی مسائل سمجھائے گئے ہوں۔ مجھے اس بات کا فخر حاصل ہے کہ میں نے اپنی ابتدائی تعلیم میں انہی رسائل کے ذریعہ اپنی مذہبی تعلیم کی بنیاد مستحکم کی تھی۔

مجموعۂ فتاویٰ ومضامین

ضرورت اس بات کی ہے کہ اخبارات ورسائل میں سے آپ کے مضامین خطبات اور مقالات کو جمع کیا جائے۔

ہیں کتابی صورت میں شائع کیا جائے ۔ آپ ساری عمر فتوٰی نویسی کا کام کرتے رہے ۔ اس
پ کے فتاوٰی کا وسیع ذخیرہ جمع ہوگیا ہوگا ۔ لہٰذا اگر انہیں مناسب تبویب و ترتیب
ساتھ شائع کردیا جائے تو ہمارے خیال میں یہ ایسا علمی کارنامہ ہوگا جو اسلامی فقہ کی
ناہ وسعتوں کو ظاہر کرسکے گا ، اور اس طرح ہمیں حالاتِ حاضرہ اور موجودہ مسائل کو
ی فقہ سے ہم آہنگ کرنے میں بہت مدد ملے گی[1]

عزت و خودداری مدرسہ امینیہ میں آپ بیس ۲۰ روپے ماہوار پر صدر مدرس مقرر ہوئے تھے ۔ اس میں وقتاً فوقتاً اضافہ ہونے کے بعد آخر میں
کی تنخواہ دو سو پچاس روپے ماہوار مقرر ہوئی تھی ۔ اس کے بعد منتظمہ کمیٹی نے بہت
شش کی مگر آپ نے گرانی اور اخراجات کی کثرت کے باوجود تنخواہ میں مزید اضافہ قبول
ں فرمایا ۔

جس زمانے میں آپ کی تنخواہ چالیس ۴۰ پچاس ۵۰ روپے سے زیادہ نہ تھی اس وقت
سہ عالیہ کلکتہ میں آپ کو پانچ سو ۵۰۰ روپے ماہوار پر بلایا گیا ۔ مگر آپ نے اس ملازمت کو قبول
فرمایا کیونکہ آپ مذہبی خدمت کے لئے ضمیر کی آزادی کو مقدم سمجھتے تھے ۔ اور اس راہ میں
ی سے بڑی قربانی کرنے کے لئے تیار تھے ۔

اسی طرح جب حکیم اجمل خاں صاحب نے یہ کوشش کی کہ نظام دکن کی طرف دیگر
کی طرح آپ کا بھی وظیفہ مقرر ہوجائے تو آپ نے ازراہِ خودداری و غیرت اسے قبول نہیں
اور آخر وقت تک عیالدار ہونے کے باوجود آپ تنگدستی میں زندگی بسر کرتے رہے ۔
م اعلیٰ اخلاق اور اعلیٰ علمی قابلیت کی بدولت ہر خاص و عام سے آپ کی عزت و احترام
سی قسم کی کوتاہی نہیں ہوئی ۔

فتوٰی نویسی فتوٰی نویسی آپ کا محبوب ترین مشغلہ تھا ۔ فتوٰی لینے والے حضرات وقت

---

[1] آپ کے فرزند اکبر مولوی حفیظ الرحمٰن واصف دہلوی کے خطوط سے معلوم ہوا کہ انہوں نے
کے مجموعۂ فتاوٰی کو مکمل کرالیا ہے اور اس کی کتابت شروع ہوگئی ہے (ارشد)

مقررہ کے علاوہ رات دن کے ہر حصہ میں آتے تھے۔ اس لئے آپ نے اپنی مدد کے لئے ایک نائب مفتی بھی مقرر کرلیا تھا، تاہم ضرورت مند حضرات آپ کا پیچھا نہیں چھوڑتے تھے۔ اور راہ چلتے یا گھر پر وقت بے وقت رات کے وقت بھی پہنچ جاتے تھے۔ آپ ان کی بے قاعدگیوں کو ہنسی خوشی برداشت کرلیتے تھے۔ بلکہ ہر حالت میں آپ ان سے نہایت خندہ پیشانی سے ملتے تھے اور ان کا کام فوراً کر دیا کرتے تھے۔ انہیں انتظار میں نہیں رکھتے تھے۔

شاگردوں پر شفقت اپنے شاگردوں پر بھی آپ کی شفقت بے پناہ تھی۔ آپ ان کی ترقی کے لئے ہر قسم کی مدد کرنے کے لئے تیار رہتے تھے۔ اور ان کی تقریبات میں بنفس نفیس شرکت فرماتے تھے۔

آخر زمانے میں آپ بہت بوڑھے اور ضعیف ہو گئے تھے، تاہم جب میں نے انہیں اپنی شادی کی تقریب میں شرکت کرنے کی دعوت دی تو آپ دور دراز کا فاصلہ طے کرنے کے بعد اس میں شریک ہوئے۔

بیعت:- آپ مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے۔ مگر بہت کم لوگوں کو معلوم تھا کہ آپ نے کسی کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ آپ اپنے زہد و تقویٰ کا حال چھپاتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے کسی کو مرید نہیں کیا، اور جو کوئی اس مقصد کے لئے آتا تھا۔ اسے دیگر مشائخ کے پاس بھیج دیتے تھے۔

مخصوص تلامذہ آپ کے ہزاروں شاگرد ہند اور پاکستان، برما، ملایا، انڈونیشیا اور دیگر اسلامی ممالک میں موجود ہیں۔ آپ کے مشاہیر تلامذہ کی تعداد بھی کافی ہے۔ انہی میں سے مندرجہ ذیل حضرات ہیں:-

(۱) مولانا احمد سعید صاحب مرحوم ناظم جمعیۃ علمائے ہند۔ (۲) مولانا اعزاز علی صاحب مرحوم استادِ ادب دارالعلوم دیوبند۔ (۳) مولانا مفتی سید مہدی حسن صاحب صدر مفتی دارالعلوم دیوبند (۴) مولانا مفتی محمد عبدالغنی پٹیالوی شاہ جہانپوری شیخ الحدیث وصدر مفتی مدرسہ امینیہ دہلی۔ (۵) مولانا محمد حسن صاحب دوحدی۔ (۶) مولانا حافظ خدا بخش صاحب۔ (۷) مولانا مفتی عبدالصمد صاحب مکرانی، قاضی القضاۃ ریاست قلات (پاکستان)۔

اولاد:- آپ کی اولاد میں سے دو لڑکے اور دو لڑکیاں بقید حیات ہیں۔ یہ مقام مسرت ہے کہ میرے ہمدرس اور صدیق مکرم جناب مولانا حفیظ الرحمٰن آصف جو آپ کے فرزند اکبر ہیں حضرت مفتی صاحب کے بعد آپ کے کام کو خوش اسلوبی کے ساتھ چلا رہے ہیں اور مدرسہ امینیہ کے مہتمم کی حیثیت سے اچھا کام کر رہے ہیں۔ آپ اردو زبان کے نہایت خوشگوار شاعر اور عمدہ نثر نگار ہیں۔ شاعری میں حضرت سائل دہلوی کے شاگرد ہیں اور مختلف اخبارات و رسائل میں ادبی اور قومی موضوعات پر مضامین لکھتے رہتے ہیں۔ آپ نے حضرت مفتی صاحب کی وفات کے بعد مدرسہ امینیہ کی تاریخ اور حضرت مفتی صاحب کے حالات پر ایک مفصل مقالہ ماہنامہ "البلاغ" کے تعلیمی نمبر ماہ دسمبر ۱۹۵۲ء میں شائع کرایا۔ پھر نظر ثانی کے بعد یہی مقالہ اخبار "الجمعیۃ" کے سنڈے ایڈیشن میں ۱۹۵۶ء میں قسط وار شائع ہوتا رہا۔ اس کے بعد مزید ترمیم و اضافہ کے ساتھ یکم جنوری ۱۹۵۸ء میں ایک کتابچہ کی صورت میں شائع ہوا اس سے ہمیں مفتی صاحب کے بارے میں مزید معلومات حاصل ہوئیں جس کے لئے ہم مولانا موصوف کے بے حد ممنون ہیں۔

روض الریاحین جناب مفتی کفایت اللہ صاحب کی نایاب تصانیف میں ایک عربی قصیدہ مع حواشی بھی ہے جس کا نام روض الریاحین ہے۔ یہ ۱۳۲۷ھ مطابق ۱۹۰۹ء میں مطبع افضل المطابع دہلی میں چھپا تھا اور ۱۳۲۶ھ یعنی ایک سال پہلے یہ عربی قصیدہ مدرسہ امینیہ دہلی کے سالانہ جلسے میں پڑھا گیا تھا۔

اس عربی قصیدہ میں حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب نے مشاہیر اساتذۂ دیوبند کے علمی اور مذہبی کارناموں کا تذکرہ کیا ہے۔ اس کا بامحاورہ اردو ترجمہ بھی مفتی صاحب نے خود کیا ہے اور مختصر حواشی بھی اپنے قلم سے تحریر فرمائے ہیں۔ قصیدہ کے مشکل الفاظ کی تشریح عربی زبان میں ہے اور مشاہیر علمائے ہند کے مختصر حالات اردو میں تحریر فرمائے ہیں۔

یہ رسالہ شائع ہوتے ہی نایاب ہوگیا تھا اور ہمیں بھی اپنے زمانۂ طالب علمی اور اس کے بعد کے زمانے میں بھی کوئی علم نہیں تھا کیونکہ یہ دوبارہ شائع نہیں ہوا۔ حال ہی میں یہ ہمیں مفتی صاحب کے صاحبزادے مولانا حفیظ الرحمٰن آصف دہلوی کی عنایت سے موصول

ہوا ہے۔ اس کے ذریعے نہ صرف ہمیں مفتی صاحب کی ابتدائی تصنیف کا عربی اور اردو دونوں زبانوں میں اعلیٰ قسم کا نمونہ حاصل ہوا ہے جس سے نہ صرف عربی شاعری میں آپ کی قادرالکلامی کا اظہار ہوتا ہے بلکہ یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ آپ عربی اشعار کا اردو زبان میں بامحاورہ اور سلیس ترجمہ بھی کر سکتے ہیں۔

مزید برآں اس کی تاریخی اہمیت یہ ہے کہ اس کے حواشی میں حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب کے قلم سے مشاہیر کے مختصر حالات اردو زبان میں شائع ہوئے ہیں۔ اس لئے ایک عینی اور مستند راوی ہونے کی حیثیت سے یہ نادر تحریر علمائے دیوبند کے حالات کی تحقیق کرنے والوں کے لئے مستند مواد کا کام دے گی اور عوام کے لئے بھی مفید ثابت ہوگی۔

المسوّٰی من احادیث الموطّا

حضرت شاہ ولی اللہؒ کی یہ مشہور کتاب آج سے ۴۳ سال پہلے مکہ مکرمہ میں مولانا عُبید اللہ سندھی کے زیرِ انتظام چھپی تھی۔ اس میں جابجا مولانا مرحوم کے تشریحی حواشی ہیں۔ مولانا نے حضرت شاہ صاحب کے حالاتِ زندگی اور ان کی الموطا کی فارسی شرح پر مؤلف امام نے جو مبسوط مقدمہ لکھا تھا اس کتاب کے شروع میں اس کا عربی ترجمہ بھی شامل کر دیا گیا ہے۔

ولایتی کپڑے کی نفیس جلد۔ کتاب کے دو حصے ہیں۔

قیمت:۔ بیس ۲۰ روپے